ABSTRACT

Shoukat Siddiqui's "JANGLOOSE " Characters.

Shoukat Siddiqui's monumental "Jangloose" spread over 3 volumes published during 1987 to 1994, brings to fore a total of 786 characters some new faces in each volume identifiable by their names, alias, profession, standing, places and regions and their accent and lifestyle.

This novel which not only covers topics such as establishment of Pakistan, its history, its requirement, Problems, such as Pakistaniat but also introduces you to its geography, its cities, rural areas and even streets and their rituals that also touches on their diction, accent and dialect.

The novels characters depict social strata that enslave deprived groups and use them to serve their ends. These groups compelled under cultural and tradition act like puppet in their hands. These characters have been created to highlight exploitation and coercion in society.

Through them attempt has been made to promote awakening conscious of the deprived masses so that they may realize the underlying motives of the oppressive attitude of the elite.

The novel brilliantly depicts behaviorally different classes of Pakistani social milue. Lali's characters for instance, brings to light evils of the small jagirdari society which oppresses the poor while the rich go scot free as they belong to elite class. Under such suppressive conditions development of human rights movements for the liberation of the poor masses in the rural life is virtually impossible. Masses have neither resources nor know how. Even external rights movements having no roots in the rural setting, remain ineffective. Novel's characters highlights the fact that Pakistani Culture and Society is at the mercy of the elite, excellently portrayed by Shoukat Siddiqui in Jangloose.

نجیب الرحمٰن

ڈاکٹر خالد خٹک

ناول ''جانگلوس'' کے کرداروں کا سماجی مطالعہ

تین جلدوں پر مشتمل شوکت صدیقی کے ناول جانگلوس کی پہلی جلد فروری ۱۹۸۷ء میں، دوسری جلد اگست ۱۹۸۹ء اور تیسری جلد اکتوبر ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی۔ پہلی جلد میں کرداروں کی تعداد ۳۴۹ ہے۔ جس میں ایسے بھی کردار شامل ہیں جو محض ایک مرتبہ اور

بہت مختصر طور پر سامنے لائے گئے ہیں۔ یا ناول کے کسی بھی مرحلے میں صرف ایسا ذکر آیا ہے کہ یہ کردار اپنے مختصر تعارف کو بھی واضح نہیں کرتے ہیں۔ ایسے کرداروں میں اسٹیشن پر موجود مسافر، اغوا شدہ عورتیں، جاگیرداروں کی حویلی اور کھیتوں میں کام کرنے والے افراد، طوائف اور مہاجر جیسے لوگ شامل ہیں۔ مثلاً جیل کے پہرے دار جو ڈیوٹی تبدیل ہونے کے بعد بیرکوں کو چیک کرتے ہوئے سب ٹھیک کی آواز لگاتے ہیں، چار مسلح رینجرز اور ان کا ڈرائیور یہ چاروں سڑک پر رکتے ہیں۔ ڈرائیور کھڑا ہو کر پیشاب کرتا ہے اور ناول کے اہم کردار لالی اور رحیم داد اس کے قریب سے گزر جاتے ہیں۔ مویشیوں کا رکھوالا بھینس چوری کرتے ہوئے کردار، پھجا کے پیچھے پیچھے آتے ہوئے چور چور کی صدا لگاتا ہے۔ ایک مرد عورت اور ان کا بچہ لالی اور رحیم داد کے سامنے سے گزر جاتے ہیں، راستوں پر ناکہ لگائے ہوئے پولیس والے۔ شاداں کے بچے شاداں کو اس وقت یاد آتے ہیں جب لالی شاداں سے ان کے بارے میں بات کرتا ہے۔ دو خانہ بدوش لڑکیاں جو آپس میں لڑتی ہوئی ایک دوسرے کو مارتی ہیں۔ تاجی کے پیٹ میں بالے کا بچہ۔ فیض محمد کے گھر کام کرنے والے کمی اور نوکر، بازاری عورتیں جن کا ذکر فیض محمد لالی سے کرتا ہے کہ رحمت ان کے چکر میں رہتا ہے اس لیے اس کا کردار ٹھیک نہیں۔ فیض محمد کا منشی جس کا اچانک انتقال ہو جاتا ہے۔ مرحوم منشی کے چار چھوٹے بچے۔ ماسٹر کی بھینسوں کا رکھوالا دینو، خالہ جس کے پاس طاہرہ کالج میں تعلیم کے زمانے میں رہتی تھی۔ فرشتہ جس سے ماسٹر لالی کو تشبیہہ دیتا ہے۔ طاہرہ کے رشتے کا ماموں جس کے بارے میں طاہرہ بتاتی ہے کہ وہ دوسرے گاؤں میں رہتا ہے۔ شاداں اپنی مرحوم ماں کا ذکر کرتی ہے۔

جلد دوم میں ۱۷۵ مزید ایسے اضافی کردار سامنے لائے گئے ہیں جو جلد اول میں موجود مرکزی، اہم اور غیر اہم کرداروں کے علاوہ ہیں۔ جب کہ جلد سوم میں، جلد اول اور جلد دوم کے کرداروں کے علاوہ ۲۶۲ نئے کردار متعارف ہوئے ہیں۔ مجموعی طور پر تینوں جلدوں میں کرداروں کی تعداد ۶۸۷ ہے، جنہیں ان کے نام، عرفیت، تعلق، پیشے، حیثیت، مقامات، علاقوں، رسم و رواج اور لب و لہجہ سے پہچانا جا سکتا ہے۔ عطش درانی اس کی تفصیل فراہم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

> ''یہ ایک ایسا ناول ہے جو نہ صرف قیامِ پاکستان، اس کی تاریخ، تقاضوں، مسائل اور پاکستانیت کے موضوعات کا احاطہ بھی کرتا ہے بلکہ اس کے جغرافیے، مقامات، شہروں، دیہات، گلی محلوں، سڑکوں، رواجوں سے بھی آشنا کرتا ہے اور اس حوالے سے مقامی لہجوں، تلفظ / ذخیرہ الفاظ و تسمیہ کو بھی پیش نظر رکھتا ہے۔''[۱]

جلد اول میں پیش کیے جانے والے تمام کردار جلد دوم یا سوم میں دہرائے نہیں گئے بلکہ صرف ان کرداروں کو سامنے لایا گیا ہے جو ناول نگار کے نزدیک بڑھتی ہوئی کہانی میں پیش کیے جانے ضروری تھے۔ البتہ جلد دوم اور سوم میں غیر اہم کردار حذف بھی کیے ہیں اور بڑھائے بھی گئے ہیں۔

ناول کے کردار پاکستانی معاشرے میں جن طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں ان میں مقتدر طبقہ ناول کے تمام کرداروں کو اپنی گرفت میں لے کر مرضی کا اس طرح تابع بناتا ہے کہ دیگر طبقات صدیوں کے جمے جمائے تہذیبی رویوں اور روایات کے پیش نظر اس مقتدر طبقے کی آنکھوں کے اشارے پر ناچتے ہیں۔ ناول کے اہم کردار ملک اللہ نواز خان نمبردار کی یہ گفتگو ان رموز کو یوں کھولتی ہے:

> ''یہ وہی جیل سے بھاگا ہوا کیدی تو نہیں؟ وہی جان پڑتا ہے۔'' ملک نے غصے سے ڈپٹ کر دریافت کیا۔

''ٹھیک ٹھیک بتا، کون ہے یہ؟''

شاداں کچھ نہ بتا سکی۔ اس کی آنکھیں خوف اور گھبراہٹ سے پھٹی ہوئی تھیں، ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ وہ بالکل ہونق نظر آ رہی تھیں۔ شاداں کو خاموش پا کر ملک زور سے چیخا۔ ''آج یہ نکل کر نہیں جائے گا۔'' اس نے جھٹ سامنے رکھی ہوئی بندوق اٹھائی اور لالی کو للکارا۔

''آگے بڑھا تو گولی سے اڑا دوں گا۔''۲

لوگوں کو اپنے اشاروں پر چلانے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کھیت، دیہات، گاؤں، شہر، دفتر اور طاقت کے ایوانوں میں اس اعلیٰ طبقے کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ اس سے انکار یا کسی طرح سے ٹال مٹول ممکن نہیں ہے۔ سماجی زندگی کے تمام پہلو رسم و رواج کے تسلسل میں دب کر کسی نئی اور مضبوط صورت حال کو پنپنے کا موقع ہی نہیں دیتے ہیں۔ عملاً معاشرے کی بہت نچلی سطح پر اکھاڑ پچھاڑ سے لے کر نسبتاً مضبوط طبقات کی لگی بندھی زندگی کا نظام ان ہی اثرات کے ماتحت چلتا ہے، جو مقتدر طبقہ اپنے مفاد میں بہتر سمجھتا ہے۔ ان حالات میں اول تو کسی کو جمے جمائے نظام میں نئے اقدامات سے اختلاف کی ویسے ہی ہمت نہیں ہوتی اور اگر کبھی کسی کو جرات کرنا پڑ جائے تو اس کو براہ راست یا بالواسطہ طور پر ایسی سزاؤں کا شکار بنا دیا جاتا ہے کہ وہ سب کے لیے عبرت کا باعث بن جائے۔ اسی لیے معاشرے میں حقیقی انقلاب پنپنے نہیں پاتا ہے۔ یہ طبقہ عوام کی بات کرتا ہے۔ انسانی احترام اور اس کے حقوق کی پاسداری کو بیان کر کے ماحول کی خرابیوں کو بدلنے کا اعلان تو کرتا ہے مگر عملاً کچھ نہیں کرتا۔ کیوں کہ اس کا دوغلا عمل پیدا ہی اسی لیے ہوا ہے کہ مفادات کے سارے دھارے اس طبقے کو انفرادی اور اجتماعی طور پر فائدہ پہنچا سکیں۔ ایسے لوگ اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لیے جو جال بنتے ہیں اس کی ایک جھلک ماسٹر فیض محمد کی بیٹی طاہرہ کے ان خیالات سے سمجھے جا سکتے ہیں۔ جس کا اظہار وہ لالی سے کرتے ہوئے سچ بول دیتی ہے:

''اب تمھیں یہ بتا دوں کہ وہ تمھیں اپنے سمگلنگ کے دھندے میں ایجنٹ کے طور پر استعمال کریں گے تاکہ رینجرز اور بارڈر پولیس کے ساتھ گولی چلے تو تمھی مارے جاؤ، تمھی جیل جاؤ۔ مگر یہ سلسلہ بھی چند مہینے چلے گا۔ میرے بچے کی پیدائش کے بعد وہ کسی مقدمے میں پھنسوا کر تم سے فارغ خطی لکھوا لیں گے اور میرا بیاہ اپنے بھتیجے سے کر دیں گے۔ وہ بدصورت ہے اور ایک ٹانگ سے لنگڑا بھی۔ مگر بہت بڑی زمین داری اور جائیداد کا اکلوتا وارث ہے۔''۳

اس طبقے میں مردوں کی اکثریت ہے مگر ایسی بھی عورتیں سامنے آتی ہیں جو اپنی تن آسانیوں کے لیے مردوں کو طاقت ور بناتی ہیں۔ کرداروں کے پیچ در پیچ معاملات اس حقیقت کو کھولتے ہیں کہ مقتدر افراد کا موروثی اور مضبوط ایسا نظام ہے جس میں نسل در نسل طاقت کا توازن اس طبقے کے ہاتھ میں ہی رہتا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے یہ لوگ کسی قاعدے قانون، ضابطے اور اصول کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ڈاکٹر خالد اشرف اس طرز عمل کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان اعلیٰ مجرموں کے لئے پاکستان میں نہ کوئی طاقت ور قانون ہے۔ اور نہ جیل کی دیواریں۔ پنجاب کے ان بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کے آباواجداد یا تو انگریزوں کے جاسوس اور نمک خوار رہے ہیں۔ یا پھر وہ لوگ ہیں جنھوں نے نئی مملکت میں جعلی کلیموں کے ذریعے اور اپنے برسرِ اقتدار رشتہ داروں کی مدد سے چھوٹے کسانوں

کی زمینیں چھین کران کومزارع یا مجرم بننے پر مجبور کیا ہے۔ پاکستان کے جاگیردارانہ دیہی معاشرے میں اسی Landed Gentry کا تحکم واقتدار چلتا ہےاور لالی اوررحیم جیسے مظلوم یا توقتل ہوجاتے ہیں یا کوڑے کے ڈھیر پر پیدا ہوکرکوڑے کے ڈھیر پر ہی جان بحق ہوجاتے ہیں‘‘ ۴؎

قتل، ڈاکے، جبر، ناانصافیوں کا پیچ در پیچ اضطرابی ماحول اوپر سے نیچے تک سرایت کرتا ہےاس لیے اسے ایک ایسے طبقے کی ضرورت پڑتی ہے جواس کے مفادات کی تکمیل کے لیے وہ سب کر سکے جو یہ اعلیٰ طبقہ چاہتا ہے۔لہٰذا مضبوط بظاہر منتشرلیکن اندر سے ایک ہی تحریک کے زیراثر ایسے لوگ پیدا کیے جاتے ہیں یا تلاش کر کے اپنے کارندوں میں شامل کیے جاتے ہیں جوان کی منصوبہ بندی کی تکمیل کے لیےان کے آلہ کار بن سکیں۔ایسی منفی سرگرمیوں کے حامل لوگوں کا اکٹھے ہونا عملاً ناممکن اورمشکل نظر آتا ہے۔مگرموروثی نظام کے زیرِ پرورش چلے آنے کی وجہ سے ایسے لوگوں کوضرورتاً یا مستقل طور پر اکٹھا رکھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی ہے۔کیوں کہ مقتدرطبقوں کے مفادات کا مضبوط نظام آگے اسی طرح بڑھتا ہے۔اسی طرح کی بڑی اوراعلیٰ سرپرستی میں جرائم پیشہ افراد کا مضبوط حلقہ بھی اپنے آپ کوقائم رکھنے میں موثر بنا رہتا ہے۔اس گروہ میں مقتدر طبقے کے درمیانی معاشرتی مراتب کےلوگ اور نچلی سطح کےلوگ بھی شامل ہوتے ہیں۔جب کبھی ایک یا کئی اشخاص کسی سبب اپنے حلقے سے نکلتے ہیں تو اس سے بڑی تعداد میں لوگ شامل کر کے اس نئے نظام کومزید مضبوط بنایا جاتا ہے۔ایسے کارندوں میں مرداورعورت دونوں شامل ہوتے ہیں اور یہ ہروقت اور ہرموقع پر حکم کو بجالانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

مدگاروں میں جرائم پیشہ افراد بھی شامل ہوتے رہتے ہیں۔مجرموں کے اس ٹولے میں ہرقسم کے جرائم پیشہ افراد کوشامل کیا جاتا ہے تا کہ جب کبھی ان سے فائدہ اٹھانے کا مرحلہ آئے تو وہ اپنے شعبے کے تجربات اوراس کام کے لیے درکار فہم وفراست،منصوبہ بندی اور چال سے کام لیں سکیں۔اس قسم کے لوگ عام آدمی کی سطح سے گرے ہوئے افراد میں بھی پیدا کیے جاتے ہیں تا کہ مفادات کے حصول کے لیے جس درجے پرسرگرمی اور کارگردگی مطلوب ہوانھیں فوراً متحرک کیا جا سکے۔مقتدرلوگوں کا جرائم پیشہ لوگوں سے اشتراکِ عمل دراصل عام آدمی یا کچلے ہوئے طبقات کو مزید کچل کر ہرعہد کے مضبوط وسائل کو اپنی طرف کھینچنے کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے جو ہرقسم کے مفادات کو نالیوں کی صورت میں کھینچ کر طاقت وردھاروں میں تبدیل کر دیتا ہے۔زیبا ترنم اس صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

’’شوکت صدیقی نے اس ناول میں یہ سارے کرداراس لیے تشکیل دیئے ہیں کہ ان کے ذریعےظلم اورناانصافی کوظاہر کر کےانسانوں کے ضمیر کوجھنجھوڑا جائے۔ان کے ادراک وفہم کو بیدار کیا جائے۔ان کے اندرظلم اورشقاوت کے اصل محرکات کوجاننے اورسمجھنے کی حس پیدا کی جائےاورساتھ ہی انھوں نے جاگیردارانہ سماج کی مجموعی طرزِ زندگی، آداب وتہذیب، رہن سہن کے ڈھنگ اورطرزِ معاشرت کی عکاسی کے ساتھ ساتھ اس دور میں جینے والے بے بس وخوف زدہ افراد کی زندگی کے ذاتی مسائل اورنفسیاتی پیچیدگیوں کا بھی اظہار کیا ہے۔‘‘ ۵؎

ذاتی اغراض اورمفادات کی تکمیل کے لیے بنائے گئے یہ دائرےایک دوسرے کے گردمضبوطی سے گھوم کر جہاں ذہنی، مادی

اور جاہ منصب کی تلاش میں کام یاب ہوتے رہتے ہیں وہاں ان ہی مفادات سے ان کی اپنی الجھنیں بھی پیدا ہوتی ہیں، جن کا پھیلاؤ اوپر سے نیچے کی طرف بڑھتا ہے۔ یوں ایک دوسرے سے منسلک یہ کردار اپنے منفی رویوں میں مزید اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ کش مکش کی یہ صورت حال منصب اور مراتب کی کھینچا تانی سے شروع ہوتی ہے جس کا حجم بڑھتے بڑھتے خاندانی تناؤ کی شکل میں بھی سامنے آتا ہے۔ رشتوں ناتوں کے مضبوط حصاروں میں بندھے ہوئے افراد ابتداً خفیہ سرگرمیوں کے ذریعے ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ جن سے خطرات نظر آتے ہیں انھیں مرضی کے مطابق ڈھال لیا جاتا ہے یا پھر ایسی تدبیر نکالی جاتی ہے جس سے متعلقہ شخص یا اشخاص ویسا کرنے لگیں جیسا کہ درکار ہو۔ ناول کا مرکزی کردار حیات محمد خان وٹو، منصب، اختیار اور وسائل کے حصول کے لیے اپنے بڑے بھائی میاں ریاض محمد خان وٹو کو قید کر کے تہہ خانے میں ڈال کر بے بسی کی تصویر بنا دیتا ہے تا کہ موروثی جائیداد اور زمینوں پر اس کا تسلط قائم ہو جائے۔ اس انسانیت سوز عمل کی تفصیلات جانگلوس میں جا بجا موجود ہیں جس کا صرف ایک زاویہ شوکت صدیقی نے یوں پیش کیا ہے:

> ''دھندلی دھندلی روشنی میں ایک بوڑھا شخص زمین پر لیٹا تھا۔ اس کی ڈاڑھی اور سر کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ وہ جیل کے قیدیوں کا سا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کے پیر میں لوہے کی موٹی زنجیر تھی جس میں وزنی گولا پڑا تھا۔ قریب ہی تام چینی کا بوسیدہ تسلا رکھا تھا۔ ایک طرف مٹی کا گھڑا اور المونیم کا گلاس تھا۔ آہٹ سن کر بوڑھا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میاں حیات اور لالی کو گھورنے لگا۔ اس کی آنکھیں غصے اور نفرت سے جلدی ہی بھڑکتا ہوا شعلہ بن گئیں۔ چہرے پر وحشت طاری ہوگئی۔ منہ بگاڑ کر چیخنے لگا۔
>
> ''تو آ گیا۔ کتے! ذلیل! دور ہو جا میری آنکھوں کے سامنے سے۔ تیری صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔ دفع ہو جا یہاں سے۔'' وہ چیخ چیخ کر حیات محمد کو گالیاں دیتا رہا اور گہری گہری سانس بھر کر ہانپتا رہا۔ حیات ٹھٹکا۔''۶

متصادم کردار بھی اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے وہ بھی اسی جیسی قوت اور مددگاروں کا حلقہ رکھتے ہیں جیسا کہ انھیں معتوب کرنے والا کردار رکھتا ہے۔ اس لیے خاندانی سطح پر بھی اکھاڑ پچھاڑ کا نسل در نسل جھگڑا جاری رہتا ہے۔ اس تناؤ اور جھگڑے میں دونوں فریق جب ایک دوسرے کے اداروں کو بخوبی بھانپ جاتے ہیں تو اپنی توانائیوں کا زور اسی پہلو پر صرف کرنے میں عافیت سمجھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بیرونی سطح پر دونوں مضبوط اور جاندار نظر آتے ہیں مگر اندرونی سطح پر کمزور ہو کر حیوانی فطرت کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ جس سے جرائم نئی نئی صورتوں میں پیدا ہوتے ہیں جو انسانی اعلیٰ قدروں کو گھن کی طرح چاٹ جاتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد افضال جانگلوس کے اہم کرداروں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

> ''لالی اور رحیم داد کو ہر قدم پر مختلف طرح کی بدعنوانی، بے ایمانی اور مجرمانہ سازشوں سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ ناول کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اصل مجرم لالی اور رحیم داد نہیں ہیں بلکہ وہ سماج ہے جس میں ان کے ساتھ ظلم و زیادتی کی گئی ہے۔ جہاں صاحب اقتدار اور زمیندار طبقہ کھلم کھلا معاشی لوٹ کھسوٹ اور کمزوروں کا استحصال کر رہا ہے۔''۷

اس کھینچا تانی میں بظاہر دو فریق برسرِ پیکار ہوتے ہیں مگر کئی اور فریق بھی پیدا ہو کر اپنی اپنی سرگرمیوں کے ذریعے حصہ لیتے رہتے ہیں۔ایک گروہ وہ ہوتا ہے جو کسی کا حامی بن کر اس کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے، دوسرا گروہ اپنے مستقبل کے مفادات کو بھانپ کر خاموش تماشائی بن جاتا ہے اور حالات کے مطابق سب کی ہاں میں ہاں ملا کر الگ تھلگ رہتا ہے۔ یہ سب کچھ خاندان کے اندر پرورش پاتا ہے جس سے طاقت ور اور مضبوط خاندان کمزور ہوتے رہتے ہیں۔اس بارے میں جانگلوس کی جلد سوم کے یہ مکالمے کش مکش کی ہلکی سی جھلک پیش کرتے ہیں۔

''مخدوم زادے نے اپنے پیو کی اس زیادتی اور حق ماری پر کچھ نہیں کیا؟'' رحیم داد نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔''اس نے کچھ نہ کچھ رولا تو ضرور ڈالا ہوگا۔''

''اس نے صرف اتنا کیا۔'' وریامانے سرگوشی کے انداز میں آہستہ سے کہا۔''اس نے چپکے چپکے اس سے یاری لگا رکھی ہے۔''۸

یہ جھگڑے خاندان سے باہر منظرِ عام پر آتے ہیں تو کردار اپنے حامیوں اور مخالفین کے ردِعمل سے شدید دباؤ کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔اس ٹکراؤ میں جیت جانے سے نہ صرف گم گشتہ طاقت بحال ہو جاتی ہے بلکہ طاقت کے نئے نئے ستون بھی کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں۔ یہی خاندانی تناؤ سیاسی کشمکش کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے کیوں کہ پاکستانی معاشرے میں طاقت کو بڑھانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ فرد سیاست کے محاذ پر بھی مضبوط نظر آتا رہے۔شوکت صدیقی لکھتے ہیں:

''تبھی تو اس کے پاس اتنی وڈی جگیر ہے۔اس کے پتر اونچے اونچے عہدوں پر لگے ہیں۔انگریزوں ہی نے لگائے تھے۔'' شاہانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔''اب تو سر امام بخش خان مزاری کے بارے میں سن۔ ہوا یہ کہ انگریزوں نے جب ڈیرہ غازی خان کو اپنی عمل داری میں شامل کیا تو امام بخش نے ان کی ہر طرح مدد کی۔اس کی وفاداری سے خوش ہو کر انھوں نے اسے آنریری مجسٹریٹ بنایا۔نواب بنایا' سر بنایا' اور فیر صوبائی درباری بنایا۔'' اس نے قدرے توقف کیا۔''۹

علاقائی سطح پر سیاسی اور نیم سیاسی نظام کی کڑیاں بھی بڑے سیاسی نظام سے جا ملتی ہیں۔ بڑے خاندان کبھی قومی تو کبھی صوبائی سطح پر اپنے آپ کو مضبوط کرتے رہتے ہیں۔ خاندانی تناؤ کا عمل اتنا پیچ در پیچ ہوتا ہے کہ ہر وقت اس پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے یوں خاندان کا ہر فرد اس کا کسی نہ کسی طرح اس کا حصہ دار بن جا کر وہ کام کرتا رہتا ہے جو اس نظام کے تقاضے ہوتے ہیں۔

اس کش مکش سے ایک نئی سرگرمی پیدا ہوتی ہے یہ سرگرمی کثیر الازدواجی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔مقتدر طبقے اپنے خاندانوں کے لیے بیرونی قوت حاصل کرنے کی غرض سے وہاں وہاں شادیاں رچانے کی کوشش کرتے ہیں جہاں سے انھیں طاقت مہیا ہو۔ان شادیوں کے نتیجے میں طاقت کے دیگر مراکز سے مضبوط رابطے قائم ہو جاتے ہیں مگر گھرانوں کے اندر کی کشمکش بڑھ جاتی ہے۔ بیگمات کے درمیان بھی کھلی یا مخفی جنگ چلتی رہتی ہے جس کے اثرات اولادوں میں بھی منتقل ہوتے ہیں اور ایک ہی گھر کئی چھوٹے چھوٹے خانوں میں بٹ جاتا ہے۔ جو ایک دوسرے کے مددگار اور ہم نوا دکھائی دیتے ہیں۔مگر ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے میں اپنی عمر

لگا دیتے ہیں۔یہی صورت حال اس طبقے کے معاشقوں کی بھی ہے۔اس کے لیے وہ نہ صرف اپنے مالی وسائل کا بے دریغ استعمال کر تے ہیں بلکہ عملی زندگی کے برعکس ایک نمائشی مصروفیت بھی پیدا کرتے ہیں۔یہ معاشقے کبھی چھوٹے بڑے وقفوں سے بدلتے رہتے ہیں ۔ان کے ذریعے کئی ایسے گروہ پیدا ہو جاتے ہیں جو کبھی تقویت کا باعث بنتے ہیں اور کبھی نئی نئی پریشانیاں کھڑی کر دیتے ہیں۔معاشقوں کا ایک اور سلسلہ اولادوں کے مراسم کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ابتداًیہ کام چوری چھپے ہوتے ہیں۔لیکن کبھی نہ کبھی کھل جانے کی صورت میں خواتین بھی اس میں ملوث ہو جاتی ہیں۔یہ ایک ایسی کھینچا تانی ہے جو ایک کے بعد ایک ختم ہو کر کسی اور معاشقے کی صورت میں جنم لے لیتی ہے،یہیں سے اولادوں کی شادی بیاہ کے جھگڑے شروع ہوتے ہیں جن پر کبھی قابو پا لیا جاتا ہے تو کبھی بغاوت کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔اندرونی پیچیدگیوں میں ملازمین کے بھی معاملات چلتے رہتے ہیں۔یہ ملازمین دو بڑے گروہوں کی صورت میں ہوتے ہیں۔ایک وہ جو خاندان کے سربراہوں اور ان کے پسندیدہ لوگوں کے نجی اور عمومی کام انجام دیتا ہے۔جلد دوم میں احسان شاہ اللہ وسایا کے قتل کے سلسلے میں رحیم داد کو اپنے نوکر ہاشم کی مہارت کے چند نکات یوں بتاتا ہے:

''وہ میرا نوکر ہوتا تھا۔برسوں میرے پاس رہا۔سال سوا سال سے اس نے ایک اور زمین دار کی نوکری کر لی تھی۔
اب وہ کوئی سنگین جرم کر کے آیا ہے اور میرے ہی پاس چھپا ہوا ہے۔وہ اپنے کسی یار کے ساتھ بحرین کی طرف نکل جا
نا چاہتا ہے۔وہ اس کے لیے مجھ سے ۵سو روپے مانگ رہا ہے۔اس کا نام ہاشم ہے۔میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں۔''
''یہ تو نے چنگا کام کیا کہ اسے ادھر لے آیا۔وہ تو بہت کام کا بندہ ہے۔''احسان شاہ نے ہلکا قہقہہ لگایا۔''سچ پوچھ تو
سنگین واردات کرانے کے لیے ایسے ہی بندوں کا استعمال کرنا چاہیے۔''[۱۰]

جب کہ دوسرا گروہ وہ ہوتا ہے جو خاندان کے عام لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ملازمین اگرچہ آپس میں اس طرح نہیں لڑتے کہ ان کی لڑائیوں کے چرچے عام ہوں مگر مختلف مزاج کی شخصیات سے وابستہ ہونے کی وجہ سے شخصیات کے درمیان تصادم کے اثرات ان پر بھی پڑتے ہیں۔جس کی وجہ سے وہ کسی کے آلہ کار بن کر ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں جن سے جرائم کی کئی شکلیں ابھرتی ہیں۔یعنی خاندانی تناؤ صرف خاندان کے با اثر افراد تک نہیں ہوتا بلکہ اس کا اثر وہاں تک پہنچتا ہے جہاں جہاں خاندان کے اثرات موجود ہوتے ہیں۔

جانگلوس کے کرداروں میں تناؤ کی دوسری صورت بین القبائل جھگڑوں،علاقائی،صوبائی اور ملکی سطح کے اختلافی مسائل اور تضادات ہیں۔ان کی پہلی سطح ایک خاص جغرافیے میں موجود قریبی قبائل سے رشتوں،ناتوں زمینوں،موروثی جھگڑوں،راستوں،پانی اور مرتبے کے جھگڑے ہوتے ہیں جس میں قتل و غارت گری کو مختلف نام دے کر صرف اس لیے بڑھاوا دیا جاتا ہے کہ متحرک قبیلے پر اپنی بالا دستی کو ثابت کیا جا سکے۔اس کھینچا تانی کی اندرونی صورت حال کو شوکت صدیقی جلد سوم میں رحیم داد اور شاہانی کی گفتگو یوں بیان کرتے ہیں:

''چوہدری اصلی بات یہ ہے''شاہانی نے وضاحت کی۔''مزاریوں سے لغاریوں کی بہت پرانی
دشمنی ہے۔دونوں کے درمیان روز ہی جھگڑے ٹنٹے ہوتے ہیں۔اندھا دھند گولیاں چلتی ہیں۔سچ

پوچھ مزاریوں کو موقع ملتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتے۔لغاریوں کو ٹک کرنے میں ذرا نرمی یا رعایت سے
کام نہ لیتے۔"[۱۱]

انسانی فطرت کے تقاضوں سے یہ واضح ہوتا چلا آتا ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے آپ کو کمزور نہیں سمجھتا ہے۔اسے یہ احساس ہو جائے یا کسی طور جتا دیا جائے کہ وہ ان لوگوں میں شامل ہے جس کی اپنی آواز نہیں ہے۔اور وہ اپنی کسی خصوصیت کی وجہ سے دوسروں میں نمایاں نہیں ہوسکتا ہے۔ایسے میں وہ یا تو خود اپنے اندر ایسی صفات تلاش کرتا ہے جنھیں روزمرہ کی زندگی میں کام میں لاتے ہوئے اس تصور کو رد کر سکے جو اس کے بارے میں قائم ہو چکا ہے یا پھر اسے اس کے قریبی لوگ یہ احساس دلاتے ہیں کہ وہ وقت گزرنے کے ساتھ اپنی قدر و قیمت کھوتا چلا جا رہا ہے۔اس لیے اسے اپنی صلاحیتوں سے کام لے کر اس تاثر کو رد کرنے کی ضرورت ہے جو اس کے بارے میں قائم ہو چکا ہے۔پہلی صورت میں وہ خود یا اپنے بہی خواہوں کے سہارے زندگی کے بعض عوامل کی نئے سرے سے تشکیل کرتا ہے۔ان کے اثرات کے بارے میں اپنے قریبی حلقوں کی رائے جاننے کی کوشش کرتا رہتا ہے کہ اس کے نئے طریقہ کار میں بہتری کی کوئی ایسی صورت موجود ہے جو اس کے بارے میں اس تاثر کو ختم کر سکے کہ وہ انسان ہونے کے باوجود کیڑا مکوڑا سمجھا جاتا ہے۔بدلاؤ کا یہ عمل جانگلوس کے ماحول میں بھی موجود ہے جس میں کمزور ترین سمجھے جانے والے اپنے سے بالاتر لوگوں کی نظر میں اپنی اہلیت کو منوانے کی تگ و دو کرتے ہیں اور پھر اپنے بارے میں قائم تصور کو زائل کرنے میں ممکن یا جزوی طور پر کام یاب ہوجاتے ہیں۔اگر چہ اس طرح بدلتے ہوئے لوگوں کا مقام پوری طرح تبدیل نہیں ہوتا مگر زندگی کا یہ رویہ سامنے آتا ہے کہ منفی ردعمل سے ایسا مثبت عمل بھی پیدا ہوتا رہتا ہے جو معاشرتی زندگی کے نظام کو اچھی تہذیبی قدروں سے جوڑے رکھے۔

دیہی زندگی میں ذات پات اور موروثی پیشوں کے انتخاب کی وجہ سے کچھ لوگ ہمیشہ کم تر رہتے ہیں جو برصغیر کے صدیوں پرانے معاشرتی نظام کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔پاکستان کے مسلم معاشرے میں بھی ان تصورات کی جڑیں اتنی گہری ہیں کہ ان کی زد میں آئے ہوئے طبقے اس سے نکلنے کا کوئی راستہ تمام تر کوششوں کے باوجود تلاش نہیں کر پاتے ہیں۔کم زور اور کم تر طبقات کی اُفتاد یہ ہے کہ وہ ذاتی کمزوریوں سے نجات پا لیں تو بھی گروہی کم منصبی کے حصار سے باہر نہیں نکل پاتے ہیں۔اگر چہ اس تقسیم سے دیہی زندگی کا نظام لگے بندھے اصولوں پر چلتے ہوئے مستحکم نظر آتا ہے مگر یہ پورا عمل خلافِ فطرت ہونے کی وجہ سے مخفی طور پر مزاحمت کاروں کا ایک ایسا ٹولہ پیدا کر دیتا ہے جو مربوط ہو کر موثر ہوتا چلا جاتا ہے۔ان کی اس نہج کی کارگزاریاں بہت محدود اور ڈھکی چھپی ہوتیں ہیں مگر ایسا انسانی اتحاد قائم رکھنے میں کام یاب رہتی ہیں جسے حقارت کی نظر سے دیکھنے کے باوجود بڑا اور مقتدر طبقہ نظر انداز نہیں کر سکتا۔کیوں کہ یہی وہ لوگ ہیں جو جمہوری روایت میں عوام کہلاتے ہیں۔ان پر تسلط حاصل کرنے سے ہی کوئی بڑا یا بہت بڑا بنتا ہے۔یہی عوام طاقت اور کمزوری کے درمیان توازن کا باعث بنتے ہیں۔کمزور لوگوں کو جب قریبی لوگوں کی مشاورت سے درجہ حقارت سے باہر نکالنے کو کوشش کی جاتی ہے تو اس میں طمانیت کے دو بڑے پہلو سامنے آتے ہیں۔ایک یہ کہ خود متعلقہ شخص کی اس آسودگی کا سامان پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنا کمزور ترین درجہ کچھ اوپر لانے میں کام یاب ہوا ہے۔اس طرح کی مزید کام یابیاں اس کی توقیر میں اضافے کا باعث بن سکتی ہیں۔دوسری جانب ایسے شخص کے بہی خواہوں میں سکون و اطمینان کی یہ کیفیت پرورش پانے لگتی ہے کہ ہماری راہ نمائی اور

کوششوں سے ایک ناکارہ اور معاشرہ کو ناقابل قبول شخص کے بدلے میں ایک ایسا شخص نصیب ہوا ہے جو باصلاحیت ہونے کی وجہ سے کسی قدر قابل احترام سمجھا جانے لگا ہے۔فکری آسودگی کی یہ رنگارنگی چھوٹے طبقوں میں وہ خوشیاں پیدا کرتی ہے جن سے یہ لوگ واقف نہیں ہوتے ہیں۔انسانی حقوق کے بین الاقوامی منشور کا یہاں سے گذر نہیں ہوتا ہے۔اور جو اسے کسی حد تک جانتے بھی ہیں اسے بروئے کار لانے سے گریز کرنے میں عافیت سمجھتے ہیں۔کیوں کہ انھیں پوری طرح سے ادراک ہوتا ہے کہ ان کے بنیادی حقوق غصب کرنے والے بہت طاقت ور ہیں۔ان کی رسائی کا دائرہ اتنا وسیع ہے جس کا احاطہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔طاقت کے بیش تر مراکز اس کے حامی اور نگہبان ہیں۔اس کا جائزہ لیتے ہوئے محمد ذیشان علی شیخ نے جانگلوس کے کرداروں میں طبقاتی تقسیم کے منظرنامے کی تصدیق یوں کی ہے:

> ''شوکت صدیقی نے ''جانگلوس'' میں پاکستانی معاشرے میں طبقاتی اونچ نیچ کے فرق کو بڑی عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے اور اس کے لیے انھوں نے لالی کے کردار کے ذریعے جاگیردارانہ معاشرے کی خرابیوں کو بھی پیش کیا ہے۔یہی وہ امیری اور غریبی کا فرق ہے کہ چھوٹا چور تو پولیس سے چھپتا پھرتا ہے اور پولیس اس کے تعاقب میں رہتی ہے اور اسے گرفتار کر کے سلاخوں کے پیچھے دھکیل دینا چاہتی ہے۔لیکن معاشرے کے بڑے چور اور اصل مجرموں پر کوئی ہاتھ نہیں ڈالتا۔کیوں کہ وہ معاشرے کے معزز اور بااثر افراد ہیں اور انھیں قانون شکنی پر قانون کے ہی درخت کے سائے میں پناہ ملتی ہے۔'' ۱۲

یوں دیہی زندگی میں انسانی حقوق کی بازیابی کی تحریکیں اسی معاشرے سے اٹھنے میں ناکام رہتی ہیں۔کیوں کہ جس ذہنی اور جسمانی قوت کے ساتھ ان کے حصول کے لیے تگ ودو کرنا ضروری ہے۔وہ وسائل ان لوگوں کے پاس موجود نہیں ہوتے ہیں جو اس کام کے لیے کارگر ثابت ہوں۔معاونت کے لیے متحرک بیرونی طاقتیں اتنی موثر ثابت نہیں ہوتیں جتنا کہ ان کا قیاس ہوتا ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایسی تحریکوں کی جڑیں دیہی معاشرے میں متضاد قوتوں پر حاوی نہیں ہو پاتی ہیں۔ناول جانگلوس کے کرداروں کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ پاکستانی معاشرے میں سماجی عمل بااثر لوگوں کی مرضی کے مطابق چلتا ہے۔جس کی اس سے پہلے مکمل تشخیص نہیں ہوسکی تھی۔شوکت صدیقی نے اس کام کو ریاضت،عرق ریزی اور غیر جانب دار طریقے سے تکمیل تک پہنچایا ہے۔

حواشی:

۱۔ ڈاکٹر عطش درانی،''پاکستانی اُردو کے خدوخال''،مقتدرہ قومی زبان،پاکستان،۱۹۹۷ء،ص۲۵۴۔

۲۔ شوکت صدیقی،''جانگلوس''،(جلد اول)،کتاب پبلی کیشنز،کراچی،۲۰۱۳ء،ص۷۸۔

۳۔ ایضاً،ص۱۰۱۔

۴۔ ڈاکٹر خالد اشرف ''برصغیر میں اردو ناول''،فکشن ہاؤس،کراچی،۲۰۱۷ء،ص۹۹۔

۵۔ ڈاکٹر زیبا ترنم،مقالہ برائے پی ایچ ڈی غیر مطبوعہ،''شوکت صدیقی کی فکشن نگاری کا تنقیدی وتجزیاتی مطالعہ''،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،علی گڑھ (یو۔پی) انڈیا ۲۰۱۴ء،ص۱۸۹۔

۶۔ جانگلوس،(جلد اول) ص۱۴۳۔

۷۔ ڈاکٹر محمد افضال بٹ،''اردو ناول میں سماجی شعور''، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۲۱۶۔

۸۔ شوکت صدیقی، جانگلوس، (جلد سوئم) رکتاب پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۳۳۸۔

۹۔ ایضاً، ص ۱۵۹۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۹۴۔

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۵۸۔

۱۲۔ محمد ذیشان علی شیخ،''ناول ''جانگلوس'' (جلد اوّل) کے کرداروں کا تحقیقی جائزہ پاکستانی معاشرے کے تناظر میں''، غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم اے، شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۲۰۱۵ء، ص ۸۶۔

فہرستِ اسنادِ محوّلہ:

۱۔ اشرف، خالد، ڈاکٹر: ۲۰۱۷ء''برصغیر میں اردو ناول''، فکشن ہاوس، کراچی۔

۲۔ بٹ، افضال، محمد، ڈاکٹر: ۲۰۱۵ء''اردو ناول میں سماجی شعور''، پورب اکادمی، اسلام آباد۔

۳۔ درانی، عطش، ڈاکٹر: ۱۹۹۷ء''پاکستانی اُردو کے خدوخال''، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان۔

۴۔ صدیقی، شوکت: ۲۰۱۳ء''جانگلوس''، (جلد اول، دوم، سوم)، کتاب پبلی کیشنز، کراچی۔

غیر مطبوعہ مقالات:

پی ایچ ڈی:

۱۔ ترنم زیبا: ۲۰۱۴ء''شوکت صدیقی کی فکشن نگاری کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ''، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (یو۔ پی)، انڈیا۔

ایم اے۔

۲۔ شیخ، علی ذیشان،: ۲۰۱۵ء''جانگلوس (جلد اوّل) کے کرداروں کا تحقیقی جائزہ پاکستانی معاشرے کے تناظر میں''، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔